QUARTERLY, PEER REVIEWED
al-amir
ISSN(P): 2790-931X ISSN(E): 2790-9328
E-Mail: editor.alamir@gmail.com

ائمہ اصولیین کے نزدیک مجتہد کی شرائط و اوصاف: ایک موازنہ و تجزیہ

Conditions and Qualifications of a Mujtahid: A Comparative Study of Major Sunni Usul al-Fiqh Scholars

Muhammad Umar Farooq
MPhil Scholar, Department of Islamic Studies,
University of Southern Punjab, Multan
Email: umarfarooqsial@gmail.com
Muhammad Abdullah
PhD Scholar, Department of Islamic Studies,
The Islamia University of Bahawalpur
Email: mabdullah2117@gmail.com

Submission Date:
02 June 2026
Review Date:
03 June 2026
Acceptance Date:
17 June 2026
Publication Date:
26 June 2026

Article Link:
https://alamir.com.pk/index.php/ojs/article/view/347

Abstract

This research examines the essential conditions and qualifications of a *Mujtahid* according to leading scholars of *Usūl al-Fiqh*, tracing the developmental trajectory of these requirements across different historical phases of Islamic legal theory. As a dynamic mechanism for deriving legal rulings from primary and secondary sources—such as the Qur'ān, Sunnah, *Ijmāʿ* (consensus), and *Qiyās* (analogy)—*Ijtihād* holds a foundational position in Islamic jurisprudence. This study analyzes the foundational views of prominent Sunni legal theorists, including Imām al-Shāfiʿī, Imām al-Juwaynī, Imām al-Ghazālī, Fakhr al-Dīn al-Rāzī, Imām al-Āmidī, Imām al-Zarkashī, Imām al-Shāṭibī, and Imām al-Shawkānī.

It investigates their frameworks regarding the *Mujtahid's* requisite mastery of the Qur'ānic text, Hadith literature, Arabic linguistics, principles of legal interpretation, legal abrogation (*Naskh*), consensus, analogical reasoning, and conflict resolution among competing evidences (*Taʿāruḍ wa al-Tarjīḥ*). Furthermore, the paper highlights how later legal scholars emphasized higher intellectual competence, contextual reasoning, and a deep comprehension of the Higher Objectives of Islamic Law (*Maqāṣid al-Sharīʿah*). The study concludes that despite nuanced variances in classification, major *Uṣūlī* scholars unanimously agree that *Ijtihād* demands both exhaustive textual knowledge and a rigorous, disciplined methodological capacity for legal deduction.

Keywords: *Ijtihād*, *Mujtahid*, *Uṣūl al-Fiqh*, Islamic Jurisprudence, *Sharīʿah*, Legal Reasoning, Conditions of *Ijtihād*, Sunni Usul Scholars, *Maqāṣid al-Sharīʿah*.

تمہید

اسلامی فقہ کی تشکیل وارتقاء میں اجتہاد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ نصوصِ شرعیہ محدود ہیں، جبکہ انسانی زندگی کے واقعات اور پیش آنے والے مسائل مسلسل بڑھتے رہتے ہیں؛ اس لیے کتاب وسنت کے عمومی اصولوں اور شرعی قواعد کی روشنی میں نئے مسائل کا حکم معلوم کرنے کے لیے ایسے اہلِ علم کی ضرورت پیش آتی ہے جو نصوص کے معانی، ان کے باہمی تعلق، ناسخ ومنسوخ، عام وخاص، مطلق و مقید اور قیاس واستدلال کے طریقوں سے پوری طرح واقف ہوں۔ یہی علمی صلاحیت اصولیین کی اصطلاح میں اجتہاد اور اس صلاحیت کے حامل شخص کو مجتہد کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اصولِ فقہ کی تاریخ میں "مجتہد" محض ایک فقیہ یا کثیر المطالعہ عالم نہیں بلکہ ایسا صاحبِ نظر عالم ہے جو شرعی دلائل سے احکام کے استنباط کی اہلیت رکھتا ہو۔

شرائطِ اجتہاد ایک ہی مرحلے میں مکمل اور یکساں صورت میں مرتب نہیں ہوئیں، بلکہ مختلف ادوار کے اصولیین نے اپنے علمی ماحول، اجتہاد کے منہج اور اصولی مباحث کی ترقی کے ساتھ ان شرائط کی تفصیل میں اضافہ کیا۔ امام شافعیؒ کے ہاں اجتہاد کا تصور بنیادی طور پر نصوص کے فہم، عربی زبان، سنت اور قیاس کے صحیح استعمال سے مربوط نظر آتا ہے۔ بعد ازاں امام الحرمین جوینیؒ نے اصولِ فقہ کے مصادر اور ان علوم کو زیادہ واضح کیا جن سے اصولی استنباط مدد لیتا ہے۔ ان کے بعد امام غزالیؒ نے المستصفی میں "المستثمر" یعنی مجتہد کو مستقل رکن بنا کر اس کی علمی اور اخلاقی شرائط کو باقاعدہ منظم انداز میں پیش کیا۔ اس کے بعد فخر الدین رازیؒ اور سیف الدین آمدیؒ نے سابقہ مباحث کو مزید تفصیل، تحلیل اور منطقی ترتیب کے ساتھ آگے بڑھایا۔ یوں شرائطِ اجتہاد کا اصولی تصور رفتہ رفتہ ایک جامع علمی خاکے کی صورت اختیار کرتا گیا۔[1]

ائمۂ اصولیین میں امام محمد بن ادریس شافعیؒ (150-204ھ) کو خصوصی مقام حاصل ہے۔ ان کی کتاب الرسالۃ کو اصولِ فقہ کے اولین منظم مصادر میں شمار کیا جاتا ہے۔ اگرچہ امام شافعیؒ نے بعد کے اصولیین کی طرح "شرائطِ مجتہد" کے نام سے ایک مستقل فہرست قائم نہیں کی، تاہم ان کے اصولی منہج میں مجتہد کے لیے درکار علمی صلاحیتوں کے بنیادی عناصر نمایاں طور پر موجود ہیں۔ بالخصوص کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ، عربی زبان، ناسخ ومنسوخ، اختلافِ اہلِ علم اور قیاس سے واقفیت کو ان کے منہج میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔[2] امام شافعیؒ کے نزدیک مجتہد کے لیے قرآن وسنت سے محض واقف ہونا کافی نہیں بلکہ ان کے دلالی اور استنباطی نظام کو سمجھنا ضروری ہے۔ ان کے اصولی منہج میں عربی زبان کی معرفت اس لیے اہم ہے کہ قرآن وسنت عربی زبان میں وارد ہوئے ہیں اور شرعی احکام کے استنباط میں الفاظ کے عموم وخصوص، حقیقت ومجاز، امر ونہی اور دیگر لسانی خصوصیات کا فہم بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اسی طرح سنت کے معاملے میں محض روایت کا علم کافی نہیں بلکہ اس کی حجیت، صحت اور دلالت کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ امام شافعیؒ کا یہ منہج بعد کے اصولیین کے ہاں مزید تفصیل کے ساتھ سامنے آیا۔

امام شافعیؒ قیاس کو بھی اجتہاد کا ایک اہم ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے ہاں قیاس کوئی آزاد عقلی تشریع نہیں بلکہ کتاب وسنت کے اصولوں پر مبنی استنباطی طریقہ ہے۔ اس لیے مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ نصوص کے احکام، ان کی علتوں اور شرعی اصولوں کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ امام شافعیؒ کے اصولی منہج میں اجتہاد، نصوص سے انقطاع کے بجائے نصوص کی گہری معرفت اور ان سے صحیح استنباط کا نام ہے۔[3]

امام الحرمین عبد الملک بن عبد اللہ الجوینیؒ (419-478ھ) نے شرائطِ اجتہاد کے تصور کو امام شافعیؒ کے مقابلے میں زیادہ منظم اور واضح انداز میں پیش کیا۔ ان کی معروف کتاب البرھان في أصول الفقه میں اصولِ فقہ کے مصادر اور ان علوم کی نشاندہی کی گئی ہے جن پر

اصولی استنباط کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ وہ واضح کرتے ہیں کہ اصولِ فقہ کی تشکیل میں علمِ کلام، عربی زبان اور فقہ بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ [4] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مجتہد کی علمی شخصیت صرف فقہی جزئیات کے حفظ سے تشکیل نہیں پاتی بلکہ اسے متعدد معاون علوم پر عبور حاصل ہونا چاہیے۔

علامہ جوینیؒ کے نزدیک اجتہاد کا ایک اہم ترین وسیلہ قیاس ہے۔ وہ لکھتے ہیں: القیاس مناط الاجتهاد وأصل الرأي، ومنه يتشعب الفقه وأساليب الشريعة[5] قیاس اجتہاد کا محور اور رائے کی بنیاد ہے، اور اسی سے فقہ اور شریعت کے استنباطی اسالیب کی شاخیں نکلتی ہیں۔ اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ امام الحرمین کے نزدیک مجتہد کے لیے قیاس کے اصول، اس کی اقسام، اس کے صحیح وفاسد طریقوں اور اس کے استعمال کے مقامات سے واقفیت ناگزیر ہے۔ اسی طرح الورقات میں جوینیؒ نے مفتی اور مجتہد کے لیے فقہ، اس کے اصول و فروع، اختلافی مسائل، اجتہاد کے دلائل، احکام کی آیات اور احادیث سے واقفیت کو ضروری قرار دیا ہے۔[6] اس طرح امام جوینیؒ کے ہاں مجتہد کی شخصیت کے تین نمایاں پہلو سامنے آتے ہیں: فقہی بصیرت، اصولی استنباط کی صلاحیت اور نصوصِ شرعیہ کے فہم کی اہلیت۔ بعد کے اصولیین نے اسی بنیاد کو مزید تفصیل اور علمی تقسیم کے ساتھ آگے بڑھایا۔

امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالیؒ (450–505ھ) کا مقام اس اعتبار سے نہایت اہم ہے کہ انہوں نے مجتہد کی شرائط کو نسبتاً منظم اور جامع صورت میں پیش کیا۔ ان کی معروف اصولی تصنیف المستصفی من علم الأصول میں اجتہاد کے لیے درکار علوم اور صلاحیتوں کو واضح کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ مجتہد صرف نصوص کا حافظ نہیں بلکہ ایسا صاحبِ علم ہونا چاہیے جو شرعی دلائل کو سمجھنے، ان کے درمیان تطبیق دینے اور ان سے احکام اخذ کرنے کی عملی قدرت رکھتا ہو۔ امام غزالیؒ نے مجتہد کے علمی مقام کو بیان کرتے ہوئے قرآن، سنت، اجماع اور عقل و قیاس سے متعلق ضروری معرفت کو اجتہادی اہلیت کی بنیاد قرار دیا ہے۔

اسی طرح امام غزالیؒ نے سنتِ رسول ﷺ کے علم کو بھی اجتہاد کی بنیادی شرائط میں شمار کیا ہے۔ مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ احادیثِ احکام سے واقف ہو اور یہ جانتا ہو کہ کون سی روایت حکم کے اثبات میں قابلِ استدلال ہے۔ تاہم امام غزالیؒ کے ہاں ہر حدیث کا حفظ ضروری نہیں؛ بلکہ ان کا مقصود یہ ہے کہ مجتہد کو احکام سے متعلق احادیث اور ان کے مواقعِ استدلال کا علم حاصل ہو۔[7] اس کے ساتھ روایت کی صحت، ناسخ و منسوخ اور احادیث کے باہمی تعارض کی صورت میں ترجیح کے اصولوں سے واقفیت بھی اجتہادی صلاحیت کا حصہ ہے۔

امام غزالیؒ کے اصولی تصور میں عربی زبان کا علم بھی نہایت بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن و سنت کے نصوص عربی زبان میں وارد ہوئے ہیں، اس لیے ان سے درست حکم اخذ کرنے کے لیے عربی الفاظ، اسالیب، دلالات اور اہلِ عرب کے طرزِ کلام سے واقفیت ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصولیین نے مجتہد کے لیے صرف لغت کا عمومی علم کافی نہیں سمجھا بلکہ اس قدر لسانی مہارت ضروری قرار دی جس کے ذریعے وہ نص کے ظاہری اور باطنی دلالی پہلوؤں کو سمجھ سکے۔ امام غزالیؒ نے المستصفی میں دلالاتِ الفاظ کے تفصیلی مباحث قائم کر کے دراصل اسی ضرورت کو اصولی بنیاد فراہم کی۔[8]

امام غزالیؒ کے ہاں علمِ اصولِ فقہ مجتہد کے لیے مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ مجتہد کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ امر کس طرح وجوب یا کسی دوسرے معنی پر دلالت کرتا ہے، نہی کا حکم کیا ہے، عام و خاص اور مطلق و مقید میں کیا فرق ہے، مجمل اور مبین کو کس طرح سمجھا جائے، قیاس کے ارکان کیا ہیں اور اجماع و خبر کے شرعی حجت ہونے کی نوعیت کیا ہے۔[9] اس اعتبار سے امام غزالیؒ نے مجتہد کی علمی شخصیت کو ایک ایسے اصولی نظام کے ساتھ مربوط کیا جس میں نص کا فہم اور استنباط کا منہج دونوں یکجا ہیں۔

اسی سلسلے میں قیاس اور اس کے اصول کا علم بھی ضروری ہے۔ امام غزالیؒ کے نزدیک قیاس شرعی احکام کے استنباط کا ایک اہم ذریعہ ہے، تاہم ہر شخص کو قیاس کرنے کا حق حاصل نہیں۔ قیاس کے لیے اصل، فرع، حکم اور علت کے تعلق کو سمجھنا ضروری ہے۔ مجتہد کو یہ قدرت حاصل ہونی چاہیے کہ وہ منصوص حکم میں موجود علت کو پہچان سکے اور مناسب شرائط کے ساتھ اسے نئے مسئلے پر منطبق کرے۔[10] اس سے واضح ہوتا ہے کہ امام غزالیؒ کے ہاں اجتہاد ایک منضبط علمی سرگرمی ہے جس میں ذاتی رائے کو نصوص اور اصولِ استنباط کے تابع رکھنا ضروری ہے۔ امام غزالیؒ نے اجماع کے علم کو بھی مجتہد کی اہلیت سے متعلق قرار دیا ہے۔ مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان مسائل سے ناواقف نہ ہو جن پر امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے، تاکہ وہ کسی ایسے حکم کے خلاف اجتہاد نہ کرے جس پر قطعی اجماع موجود ہو۔[11] اس شرط کی اہمیت یہ ہے کہ اجتہاد کا مقصد شرعی احکام کی نئی تعبیر پیش کرنا نہیں بلکہ شرعی دلائل کی روشنی میں ایسے مسائل کا حکم معلوم کرنا ہے جہاں معتبر اجتہادی گنجائش موجود ہو۔

امام غزالیؒ کی بیان کردہ شرائط کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو ان کے نزدیک مجتہد کی اہلیت کو تین بڑے دائروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: نصوصِ شرعیہ کا علم، اصولِ استنباط کا علم، اور استنباط کی عملی قدرت۔ اس طرح امام غزالیؒ نے مجتہد کو محض "عالمِ نص" کے بجائے "عالمِ استنباط" کے طور پر متعین کیا۔ ان کے بعد آنے والے اصولیین، خصوصاً فخر الدین رازیؒ اور سیف الدین آمدیؒ نے انہی شرائط کو مزید تحلیل اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور بعض مقامات پر مجتہد کی عملی اور عقلی صلاحیتوں کو بھی زیادہ نمایاں کیا۔[12]

امام فخر الدین رازیؒ (544–606ھ) اور سیف الدین آمدیؒ (551–631ھ) نے سابقہ اصولیین کے مباحث کو زیادہ تحلیلی اور منظم انداز میں پیش کیا۔ ان کے ہاں مجتہد کی علمی اہلیت کا تعلق صرف قرآن و حدیث کے علم سے نہیں بلکہ عربی زبان، اصولِ فقہ، ناسخ و منسوخ، اجماع، قیاس، احکام کی دلالات اور استنباطی ملکہ سے بھی ہے۔ اس دور میں "مجتہد" کی تعریف ایک ایسے جامع العلوم فقیہ کے طور پر سامنے آتی ہے جو شرعی دلائل کو سمجھنے کے ساتھ ان سے حکم اخذ کرنے کی عملی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔[13] علامہ سیف الدین آمدیؒ نے الإحکام في أصول الأحکام میں شرائطِ اجتہاد کو نسبتاً جامع اور واضح انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک مجتہد کے لیے کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ، اجماع، عربی زبان اور اصولی دلالات سے واقفیت ضروری ہے۔[14] ان کا منہج امام غزالیؒ اور امام رازیؒ کے مباحث سے ہم آہنگ ہے، تاہم آمدیؒ نے ان شرائط کو زیادہ دقیق منطقی انداز میں مرتب کیا ہے۔

آمدیؒ کے ہاں قرآن کے سلسلے میں مجتہد کو ان آیات سے واقف ہونا چاہیے جن سے احکام کا استنباط کیا جاسکتا ہے۔ وہ اس علم کو صرف آیاتِ احکام تک محدود نہیں رکھتے بلکہ ناسخ و منسوخ، عموم و خصوص، اجمال و بیان اور دلالاتِ الفاظ کی معرفت کو بھی ضروری سمجھتے ہیں۔[15] اسی طرح احادیث کے سلسلے میں مجتہد کو ان روایات سے واقف ہونا چاہیے جن کا تعلق احکام سے ہو، اور اسے روایت کی صحت اور قبولیت کے اصولوں کا علم بھی ہونا چاہیے۔

سیف الدین آمدیؒ کے نزدیک مجتہد کے لیے عربی زبان کے قواعد اور لغت کا علم اس لیے ضروری ہے کہ شرعی نصوص کے صحیح مفہوم تک پہنچنے میں زبان بنیادی ذریعہ ہے۔ وہ مجتہد کے لیے اس قدر لغوی مہارت کو ضروری سمجھتے ہیں جس کے ذریعے وہ عربی کلام کے اسلوب اور دلالت کو سمجھ سکے۔[16]

آمدیؒ کے ہاں مجتہد کے لیے اصولِ فقہ کے قواعد کا علم مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ مجتہد کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ شرعی دلیل کی حجیت کس بنیاد پر قائم ہوتی ہے، مختلف دلائل میں تعارض کی صورت میں ترجیح کیسے دی جاتی ہے اور قیاس کے ذریعے حکم کا استنباط کن شرائط کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح آمدیؒ کے ہاں اجتہاد دراصل دلیل کے صحیح فہم اور منظم استدلال کا نام ہے۔[17] اس دور کے دیگر اصولیین

نے بھی مجتہد کے لیے متعدد علوم کو ضروری قرار دیا۔ ابن قدامہ مقدسیؒ نے روضۃ الناظر میں کتاب و سنت، اجماع، عربی زبان اور اصولی استنباط کے علم کو اجتہادی اہلیت سے مربوط کیا۔[18] اسی طرح امام نوویؒ اور دیگر فقہاء کے ہاں مفتی اور مجتہد کے لیے فقہی بصیرت، تقویٰ اور مسائل کے دقیق فہم کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ کلاسیکی اصولی روایت میں اجتہاد محض علمی معلومات کا نام نہیں بلکہ ایک جامع فقہی ملکہ ہے۔ یہاں ایک اہم نتیجہ سامنے آتا ہے کہ امام شافعیؒ سے امام آمدیؒ تک شرائطِ اجتہاد کے تصور میں بنیادی تسلسل موجود ہے۔ قرآن، سنت، عربی زبان اور قیاس کی اہمیت تمام ادوار میں برقرار رہی؛ البتہ بعد کے اصولیین نے ناسخ و منسوخ، اجماع، دلالاتِ الفاظ، اصولِ قیاس اور تعارضِ ادلہ جیسے مباحث کو زیادہ تفصیل سے شامل کیا۔ یوں شرائطِ اجتہاد کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور مجتہد کی شخصیت ایک ایسے جامع علمی مقام کے طور پر سامنے آئی جو نصوص کے علم کے ساتھ اصولی استدلال کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے۔

سیف الدین آمدی نے الإحكام في أصول الأحكام میں اجتہاد کی شرائط کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک مجتہد کے لیے سب سے بنیادی امر یہ ہے کہ اسے شرعی احکام کے دلائل اور ان سے حکم اخذ کرنے کے طریقۂ کار کا علم ہو۔ وہ قرآن، سنت، اجماع اور قیاس کے ساتھ ساتھ ان اصولی مباحث سے بھی واقفیت کو ضروری قرار دیتے ہیں جن کے ذریعے نصوص سے احکام مستنبط کیے جاتے ہیں۔[19]

آمدی کی بحث میں عربی زبان کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، کیونکہ قرآن و حدیث عربی زبان میں وارد ہوئے ہیں اور شرعی نصوص کے مفاہیم کا درست ادراک لغت، نحو، صرف، حقیقت و مجاز، عموم و خصوص، اطلاق و تقیید اور امر و نہی کے مباحث سے واقفیت کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ وہ مجتہد کے لیے زبان کے ایسے علم کو ضروری سمجھتے ہیں جس کے ذریعے وہ نصوص کے ظاہری اور باطنی دلالات کو سمجھ سکے۔[20]

اسی طرح مجتہد کے لیے کتاب اللہ کے متعلق علم ضروری ہے۔ اس میں صرف آیاتِ احکام کا اجمالی علم کافی نہیں بلکہ ناسخ و منسوخ، عام و خاص، مطلق و مقید اور دیگر متعلقہ مباحث سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ آمدی کے نزدیک مجتہد کو کم از کم ان آیات سے واقف ہونا چاہیے جن سے فقہی احکام کا استنباط کیا جاتا ہے۔[21]

سنت کے حوالے سے بھی آمدی محض احادیث کے حفظ کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ احادیثِ احکام، ان کی صحت، طرقِ روایت اور ان کے باہمی تعارض کی صورت میں ترجیح کے اصولوں سے آگاہی کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس طرح ان کے تصورِ اجتہاد میں علمِ حدیث اور اصولِ حدیث دونوں کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔[22]

آمدی کے بیان کردہ شرائط کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ مجتہد کو قیاس کے اصول اور اس کے ارکان و شرائط سے مکمل واقفیت حاصل ہو۔ کیونکہ بہت سے ایسے مسائل جن میں براہِ راست نص موجود نہیں ہوتی، ان میں شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے قیاس اور دیگر اصولی طریقوں سے مدد لی جاتی ہے۔ اس لیے مجتہد کے لیے علتِ حکم کی معرفت، اصل و فرع کے تعلق اور قیاس کی صحت و فساد کے اصولوں سے واقف ہونا ضروری ہے۔[23]

امام ابن قدامہ نے روضۃ الناظر میں مجتہد کی علمی اہلیت کے ضمن میں قرآن، سنت، اجماع اور قیاس سے متعلق ضروری معلومات کو بنیادی حیثیت دی ہے۔ ان کے نزدیک مجتہد کو ان نصوص اور دلائل کا علم ہونا چاہیے جن سے شرعی احکام کا استنباط کیا جاتا ہے۔[24] اسی طرح اسے عربی زبان اور دلالاتِ الفاظ سے اس درجے کی واقفیت حاصل ہونی چاہیے جس کے ذریعے وہ نصوص کے مفاہیم کو صحیح طور پر سمجھ سکے۔

امام شاطبی کے ہاں مجتہد کی شرط کا تصور مزید وسیع اور مقاصدی صورت اختیار کرتا ہے۔ الموافقات میں وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مجتہد کو صرف جزوی احکام کا علم نہیں ہونا چاہیے بلکہ شریعت کے کلی مقاصد اور اس کے عمومی مزاج کا بھی گہرا ادراک ہونا چاہیے۔ ان کے نزدیک مجتہد کے لیے شریعت کے جزوی نصوص کو اس کے کلی اصولوں کے ساتھ مربوط کرکے دیکھنا ضروری ہے۔[25]

شاطبی کے تصور میں مجتہد کی علمی اہلیت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ وہ نصوص کو ان کے مجموعی سیاق میں دیکھے۔ کسی ایک جزوی دلیل سے حکم اخذ کرتے وقت اگر شریعت کے عمومی مقاصد اور دوسرے نصوص کو نظر انداز کر دیا جائے تو استنباط میں غلطی کا امکان پیدا ہو سکتا ہے۔ اس لیے ان کے ہاں فقہِ مقاصد مجتہد کی علمی شخصیت کا اہم جزو بن جاتا ہے۔ یوں امام آمدی، فخر الدین رازی، ابن قدامہ اور امام شاطبی کی آراء کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اصولیین کے نزدیک مجتہد کی شرائط بتدریج ایک جامع علمی تصور میں تبدیل ہوئیں۔ قرآن و سنت کے علم کے ساتھ عربی زبان، اصولِ فقہ، دلالاتِ الفاظ، اجماع، قیاس، تعارض و ترجیحِ ادلہ اور مقاصدِ شریعت کو بھی مجتہد کی اہلیت کا حصہ سمجھا گیا۔ اس ارتقائی مرحلے نے بعد کے اصولیین کے لیے شرائطِ اجتہاد کی مزید جامع تدوین کی بنیاد فراہم کی۔

متأخر اصولیین نے عربی زبان کو شرائطِ اجتہاد میں بنیادی مقام دیا ہے۔ امام ابن الحاجبؒ کے اصولی منہج میں بھی یہ بات نمایاں ہے کہ قرآن وسنت سے احکام کے استنباط کے لیے الفاظ کے معانی، ان کے استعمال اور دلالات کو سمجھنا ناگزیر ہے۔[26]

علامہ شاطبیؒ نے اس ضرورت کو مزید گہرا کرتے ہوئے واضح کیا کہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے، اس لیے شریعت کے خطاب کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے عربی زبان کے اسلوب اور اس کے مقتضیات سے واقفیت ضروری ہے۔ ان کے نزدیک جو شخص عربی زبان کے مزاج اور شریعت کے خطاب کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، وہ استنباطِ احکام میں کامل اہلیت نہیں رکھتا۔[27] یہی وجہ ہے کہ متأخر اصولیین کے ہاں مجتہد کے لیے صرف لغت کا عمومی علم کافی نہیں سمجھا گیا بلکہ نحو، صرف، لغت، حقیقت و مجاز، عام و خاص، مطلق و مقید، امر و نہی اور منطوق و مفہوم جیسے مباحث سے واقفیت ضروری قرار دی گئی۔

متأخر اصولیین نے مجتہد کے لیے ناسخ و منسوخ کے علم کو بھی خاص اہمیت دی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اگر مجتہد کسی منسوخ حکم کو موجودہ شرعی حکم سمجھ لے تو اس کا استنباط درست نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح اسے فقہاء کے اختلافات اور اجماعی مسائل سے بھی واقف ہونا چاہیے تاکہ وہ ایسے مسئلے میں نیا اجتہاد نہ کرے جس پر پہلے ہی قطعی اجماع قائم ہو چکا ہو۔[28]

امام سیوطیؒ نے الإتقان في علوم القرآن میں علومِ قرآن کے ضمن میں ناسخ و منسوخ کی معرفت کو اہم علمی ضرورت قرار دیا ہے۔ اگرچہ یہ کتاب براہِ راست شرائطِ اجتہاد کی مستقل کتاب نہیں، تاہم مجتہد کے لیے ضروری علوم میں علومِ قرآن کی اہمیت واضح کرتی ہے۔[29] متأخر اصولیین کے ہاں علمِ اصولِ فقہ کو مجتہد کے لیے مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ امام شوکانیؒ نے إرشاد الفحول میں مجتہد کی علمی اہلیت کو بیان کرتے ہوئے اس امر پر زور دیا کہ مجتہد کو شرعی دلائل اور ان سے احکام کے استنباط کے قواعد کا علم ہونا چاہیے۔

شوکانیؒ کے نزدیک مجتہد کی اصل امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دلائل کو صرف نقل نہ کرے بلکہ ان سے حکم اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس لیے ملکۂ استنباط شرائطِ اجتہاد میں نہایت بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔[30] اس اعتبار سے دیکھا جائے تو متأخر اصولیین کے ہاں اجتہاد کا تصور دو بنیادی عناصر پر قائم ہوتا ہے: پہلا شرعی مصادر اور متعلقہ علوم کا وسیع علم، اور دوسرا ان علوم کو استعمال کرکے حکمِ شرعی اخذ کرنے کی عملی صلاحیت۔ یہی دوسرا عنصر مجتہد کو محض عالم یا فقیہ سے ممتاز کرتا ہے۔

متأخر اصولیین کی بحث میں مجتہد کے علمی اوصاف کے ساتھ اس کی عملی اور اخلاقی اہلیت بھی اہم ہے۔ مجتہد کو ایسا شخص ہونا چاہیے جو شرعی احکام کے استنباط میں خواہشِ نفس، تعصب اور ذاتی مفاد سے محفوظ رہنے کی کوشش کرے۔ امام غزالیؒ نے پہلے ہی مجتہد کے لیے عدالت اور تقویٰ کو اہم قرار دیا تھا، جبکہ بعد کے اصولیین نے بھی اس شرط کو برقرار رکھا۔[31] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلاسیکی سنی اصولی روایت میں اجتہاد محض ایک ذہنی یا فنی سرگرمی نہیں بلکہ ایک دینی ذمہ داری بھی ہے۔ مجتہد جب کسی مسئلے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعیین کرتا ہے تو اس کے لیے علمی دیانت، احتیاط اور تقویٰ ناگزیر ہیں۔

مجتہد صرف وہ شخص نہیں جو بہت سی آیات، احادیث اور فقہی مسائل جانتا ہو، بلکہ حقیقی مجتہد وہ ہے جس کے اندر شریعت کے دلائل سے احکام اخذ کرنے کی پختہ صلاحیت پیدا ہوگئی ہو۔ جو شخص شریعت کے مقاصد کو پوری طرح نہیں سمجھتا، اس کے لیے نصوص سے صحیح اور متوازن استنباط کرنا مشکل ہو سکتا ہے۔ شریعت کے مقاصد میں دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت جیسے بنیادی مصالح شامل ہیں۔ مجتہد جب کسی نئے مسئلے کا حکم متعین کرتا ہے تو اسے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ اس کا حکم شریعت کے عمومی مقاصد کے ساتھ کس حد تک ہم آہنگ ہے۔

متأخر اصولیین کی آراء کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ شرائطِ اجتہاد کا تصور ایک جامع علمی و عملی نظام کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ مجتہد کے لیے قرآن و سنت، عربی زبان اور اصولِ فقہ کے ساتھ ملکۂ استنباط، مقاصدِ شریعت، فقہی جزئیات، تعارضِ ادلہ، ترجیح، عرف اور حالاتِ زمانہ سے واقفیت ضروری سمجھی گئی۔ اس کے ساتھ عدالت، تقویٰ اور علمی دیانت بھی اس کی شخصیت کے بنیادی اوصاف قرار پائے۔[32] یوں متأخر اہلِ سنت اصولیین کے نزدیک مجتہد محض احکام کا ناقل نہیں بلکہ نصوص، اصول، مقاصد اور واقعہ کے درمیان علمی ربط قائم کر کے نئے مسائل میں شرعی حکم تک پہنچنے والا ماہر فقیہ ہے۔ یہی تصور بعد کے اصولی مباحث میں اجتہاد کی علمی ساخت کی بنیاد بنا۔

ائمہ اصولیین کی آراء کا مجموعی مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ شرائطِ اجتہاد کسی ایک دور میں یکبارگی متعین نہیں ہوئیں، بلکہ اصولِ فقہ کی تدوین کے ساتھ ساتھ ان میں تدریجی وسعت اور تفصیل پیدا ہوتی گئی۔ امام شافعیؒ کے ہاں نصوص، عربی زبان اور سنت کی حجیت پر جو بنیاد قائم ہوئی، امام جوینیؒ اور امام غزالیؒ نے اسے منظم اصولی نظام میں تبدیل کیا، جبکہ آمدی، رازی، زرکشی، شاطبی اور شوکانی جیسے اصولیین نے مجتہد کی اہلیت کو مزید جامع بنا دیا۔

ائمہ اصولیین کی آراء کا مجموعی مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ شرائطِ اجتہاد اگرچہ مختلف ادوار میں مختلف اسلوب اور تفصیل کے ساتھ بیان ہوئی ہیں، تاہم ان کے بنیادی اجزاء میں نمایاں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ امام شافعیؒ سے لے کر امام جوینیؒ، امام غزالیؒ، امام فخر الدین رازیؒ، امام آمدیؒ، امام زرکشیؒ، امام شاطبیؒ اور امام شوکانیؒ تک اصولیین نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ مجتہد کے لیے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے گہری واقفیت، عربی زبان پر عبور، اصولِ فقہ کا علم، احکام کے مصادر اور طرقِ استنباط سے آگاہی بنیادی ضرورت ہے۔ البتہ بعد کے اصولیین نے ان شرائط کو زیادہ جامع اور منظم انداز میں پیش کیا اور اجتہاد کی عملی و مقاصدی جہتوں کو بھی نمایاں کیا۔

ائمہ اصولیین کے نزدیک مجتہد وہ شخص ہے جو نصوصِ شرعیہ کے ساتھ گہری علمی وابستگی رکھنے کے علاوہ ان نصوص سے احکام اخذ کرنے کے اصول و طریقوں پر بھی مکمل دسترس رکھتا ہو۔ ابتدائی اصولیین نے اس کے بنیادی خدوخال متعین کیے، جبکہ متاخر اصولیین نے ان شرائط کو زیادہ جامع، منظم اور فنی شکل دی۔ یوں شرائطِ اجتہاد کا ارتقاء دراصل اصولِ فقہ کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ اس پورے

علمی سفر کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ اجتہاد شخصی رائے یا محض ذہنی قیاس نہیں بلکہ کتاب و سنت، اصولِ فقہ، عربی زبان، مقاصدِ شریعت اور مضبوط علمی ملکہ پر قائم ایک باقاعدہ علمی عمل ہے۔[133]

خلاصۂ بحث:

زیرِ نظر مقالے میں ائمہ اصولیین کے نزدیک مجتہد کی شرائط کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔ بحث سے واضح ہوتا ہے کہ ابتدائی اصولیین، بالخصوص امام شافعیؒ، امام جوینیؒ اور امام غزالیؒ نے مجتہد کے لیے قرآن و سنت کے علم، عربی زبان پر عبور، اصولِ فقہ کی معرفت، اجماع اور قیاس سے واقفیت کو بنیادی شرائط قرار دیا۔ بعد کے اصولیین، مثلاً علامہ آمدیؒ، فخر الدین رازیؒ، امام زرکشیؒ اور امام شاطبیؒ نے ان شرائط کو مزید منظم اور جامع بناتے ہوئے ناسخ و منسوخ، دلالاتِ الفاظ، تعارضِ ادلہ، مقاصدِ شریعت اور ملکۂ اجتہاد کو بھی اہمیت دی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجتہد بننے کے لیے محض فقہی معلومات کافی نہیں بلکہ نصوص کے گہرے فہم، اصولی استدلال، عربی لسانیات، مقاصدِ شریعت اور نئے مسائل پر شرعی اصولوں کے اطلاق کی عملی صلاحیت ضروری ہے۔ یوں ائمہ اصولیین کے ہاں اجتہاد ایک باقاعدہ علمی منہج ہے جو مضبوط علمی اہلیت اور اصولی ضوابط کا تقاضا کرتا ہے۔

زیرِ نظر مقالے کے نتائجِ تحقیق یہ ہیں:

مجتہد کے لیے جامع علمی اہلیت ضروری ہے ائمہ اصولیین کے نزدیک قرآن، سنت، عربی زبان اور اصولِ فقہ کا علم اجتہاد کی بنیادی شرائط میں شامل ہے۔ ملکۂ اجتہاد بنیادی حیثیت رکھتا ہے، محض کتابی معلومات مجتہد بننے کے لیے کافی نہیں؛ نصوص سے احکام اخذ کرنے کی عملی اور تحلیلی صلاحیت بھی ضروری ہے۔ ابتدائی اصولیین نے بنیادی شرائط متعین کیں، جبکہ متاخر اصولیین نے مقاصدِ شریعت، ترجیحِ ادلہ اور حالات کے فہم کو بھی اجتہادی صلاحیت سے مربوط کیا۔ ائمہ اصولیین کے نزدیک اجتہاد کتاب و سنت اور مسلمہ اصولِ فقہ کی روشنی میں انجام پانے والا منظم علمی و استنباطی عمل ہے۔

زیرِ نظر مقالے کی سفارشات: نصابِ تعلیم میں اصولِ اجتہاد کو مؤثر بنایا جائے اور طلبہ کو قرآن، حدیث، عربی زبان اور اصولِ فقہ کے ساتھ عملی استنباط کی تربیت دی جائے۔ معاصر مسائل کے لیے اجتماعی اجتہاد کو فروغ دیا جائے تاکہ مختلف علوم کے ماہرین اور فقہاء باہمی مشاورت سے جدید مسائل کے شرعی احکام متعین کر سکیں۔ مقاصدِ شریعت اور جدید علوم کو اجتہادی تربیت کا حصہ بنایا جائے تاکہ مجتہد جدید معاشی، طبی، سائنسی اور سماجی مسائل کو ان کے حقیقی پس منظر کے ساتھ سمجھ سکے۔ اجتہاد کے لیے باقاعدہ علمی معیار مقرر کیا جائے تاکہ غیر متخصص افراد کی محض ذاتی آراء کو اجتہاد قرار دینے کے رجحان کی حوصلہ شکنی ہو اور شرعی احکام کے استنباط میں علمی و اصولی معیار برقرار رہے۔

---

[1]Muhammad ibn Muhammad al-Ghazali, Al-Mustasfa min 'Ilm al-Usul, (Beirut: Dar al-Kutub al-'Ilmiyyah, 1413 AH), v 2, p350; Muhammad ibn 'Umar al-Razi, Al-Mahsul fi 'Ilm Usul al-Fiqh, (Beirut: Mu'assasat al-Risalah, 1418 AH), v 6, p291,'Ali ibn Abi 'Ali al-Amidi, Al-Ihkam fi Usul al-Ahkam, (Beirut: al-Maktab al-Islami, 1402 AH), v 4, p162.

[2] Muhammad ibn Idris al-Shafi'i, Al-Risalah, (Egypt: Maktabat al-Halabi, 1358 AH), v20–23, p42–45.

[3] Muhammad ibn Idris al-Shafi'i, Al-Risalah, (Egypt: Maktabat al-Halabi, 1358 AH), p477–479.
[4]' Abd al-Malik ibn 'Abd Allah al-Juwayni, Al-Burhan fi Usul al-Fiqh, (Qatar: Jami'at Qatar, 1399 AH), v 1, p85–86.
[5]' Abd al-Malik ibn 'Abd Allah al-Juwayni, Al-Burhan fi Usul al-Fiqh, (Qatar: Jami'at Qatar, 1399 AH), v 2, p676.
[6] Jalal al-Din Muhammad ibn Ahmad al-Mahalli, Sharh al-Waraqat, (Beirut: Dar al-Kutub al-'Ilmiyyah, 1424 AH), p228–229.
[7] Muhammad ibn Muhammad al-Ghazali, Al-Mustasfa min 'Ilm al-Usul, (Beirut: Dar al-Kutub al-'Ilmiyyah, 1413 AH), v 2, p338
[8] Ibid., v 2, p350
[9] -Ibid., v 1, p372
[10] Ibid., v 2, p351
[11]'Abd al-Malik ibn 'Abd Allah al-Juwayni, Al-Burhan fi Usul al-Fiqh, (Qatar: Jami'at Qatar, 1399 AH), v 2, p677–684.
[12] Muhammad ibn Muhammad al-Ghazali, Al-Mustasfa min 'Ilm al-Usul, (Beirut: Dar al-Kutub al-'Ilmiyyah, 1413 AH), v 2, p351.
[13] Muhammad ibn 'Umar Fakhr al-Din al-Razi, Al-Mahsul fi 'Ilm Usul al-Fiqh, (Beirut: Mu'assasat al-Risalah, 1418 AH), v 6, p23–30; Sayf al-Din 'Ali ibn Abi 'Ali al-Amidi, Al-Ihkam fi Usul al-Ahkam, (Beirut: al-Maktab al-Islami, 1402 AH), v 4, p162–167.
[14]Sayf al-Din 'Ali ibn Abi 'Ali al-Amidi, Al-Ihkam fi Usul al-Ahkam, (Beirut: al-Maktab al-Islami, 1402 AH), v 4, p162.
[15] Ibid., v 4, p163.
[16] Ibid., v 4, p164.
[17] Ibid., v 4, p167.
[18] Muwaffaq al-Din 'Abd Allah ibn Ahmad Ibn Qudamah al-Maqdisi, Rawdat al-Nazir wa Junnat al-Manazir fi Usul al-Fiqh, (Riyadh: Maktabat al-Rushd, 1993), v 2, p333–338.
[19]' Ali ibn Muhammad al-Amidi, Al-Ihkam fi Usul al-Ahkam, v 4, (Beirut: al-Maktab al-Islami, 1402 AH), p162
[20] Ibid., v 4, p164
[21] Ibid., v 4, p163
[22] Ibid., v 4, p164
[23]' Abd Allah ibn Ahmad Ibn Qudamah al-Maqdisi, Rawdat al-Nazir wa Junnat al-Manazir fi Usul al-Fiqh, v 2, (Riyadh: Mu'assasat al-Rayyan, 1423 AH), p335–337.
[24] Ibrahim ibn Musa al-Shatibi, Al-Muwafaqat, v 5, edited by Abu 'Ubaydah Mashhur ibn Hasan Al Salman, (Al-Khobar: Dar Ibn 'Affan, 1417 AH), p9–13.
[25] Ibid., v 5, p15–17.
[26]' Uthman ibn 'Umar Ibn al-Hajib, Mukhtasar Muntaha al-Sul wa al-Amal, (Beirut: Dar al-Kutub al-'Ilmiyyah, 1983), v 3, p291–293.
[27] Ibrahim ibn Musa al-Shatibi, Al-Muwafaqat, (Al-Khobar: Dar Ibn 'Affan, 1417 AH), v 5, p52–54.
[28] Badr al-Din Muhammad ibn Bahadur al-Zarkashi, Al-Bahr al-Muhit fi Usul al-Fiqh, (Kuwait: Wizarat al-Awqaf wa al-Shu'un al-Islamiyyah, 1413 AH), v 6, p205–207.
[29] Jalal al-Din 'Abd al-Rahman al-Suyuti, Al-Itqan fi 'Ulum al-Qur'an, (Cairo: al-Hay'ah al-Misriyyah al-'Amm ah lil-Kitab, 1974), v 3, p75–78.
[30] Muhammad ibn 'Ali al-Shawkani, Irshad al-Fuhul ila Tahqiq al-Haqq min 'Ilm al-Usul, (Damascus: Dar al-Kitab al-'Arabi, 1419 AH), v 2, p1021–1024.
[31] Abu Hamid Muhammad ibn Muhammad al-Ghazali, Al-Mustasfa min 'Ilm al-Usul, v 2, edited by Muhammad 'Abd al-Salam 'Abd al-Shafi, (Beirut: Dar al-Kutub al-'Ilmiyyah, 1413 AH), p350–352.
[32]' Abd Allah ibn Ahmad Ibn Qudamah al-Maqdisi, Rawdat al-Nazir wa Junnat al-Manazir fi Usul al-Fiqh, v 2, (Riyadh: Mu'assasat al-Rayyan, 1423 AH), p335–338;

Badr al-Din Muhammad ibn Bahadur al-Zarkashi, Al-Bahr al-Muhit fi Usul al-Fiqh, v 6, (Kuwait: Wizarat al-Awqaf wa al-Shu'un al-Islamiyyah, 1413 AH), p109–115.,Muhammad ibn 'Ali al-Shawkani, Irshad al-Fuhul ila Tahqiq al-Haqq min 'Ilm al-Usul, v 2, edited by Ahmad 'Izzu 'Inayah, (Damascus: Dar al-Kitab al-'Arabi, 1419 AH), p1070–1075.,Ahmad ibn Idris al-Qarafi, Al-Furuq, v 1, (Beirut: 'Alam al-Kutub, n.d.), p176–178.

[33] Muhammad ibn Idris al-Shafi'i, Al-Risalah, (Cairo: Maktabat al-Halabi, 1358 AH), p20–23, 510–513,'Abd al-Malik ibn 'Abd Allah al-Juwayni, Al-Burhan fi Usul al-Fiqh, v 2, (Doha: Dar al-Wafa, 1418 AH), p727–733,Abu Hamid Muhammad ibn Muhammad al-Ghazali, Al-Mustasfa min 'Ilm al-Usul, (Beirut: Dar al-Kutub al-'Ilmiyyah, 1413 AH), v 2, p350–354,Muhammad ibn 'Umar Fakhr al-Din al-Razi, Al-Mahsul fi 'Ilm Usul al-Fiqh, (Beirut: Mu'assasat al-Risalah, 1418 AH), v 3, p7–15,'Ali ibn Muhammad al-Amidi, Al-Ihkam fi Usul al-Ahkam, (Beirut: al-Maktab al-Islami, 1402 AH), v 4, p162–16,Muhammad ibn 'Abd Allah al-Zarkashi, Al-Bahr al-Muhit fi Usul al-Fiqh, (Kuwait: Wizarat al-Awqaf wa al-Shu'un al-Islamiyyah, 1409 AH), v 8, p6–14,Muhammad ibn 'Ali al-Shawkani, Irshad al-Fuhul ila Tahqiq al-Haqq min 'Ilm al-Usul, (Damascus: Dar al-Kitab al-'Arabi, 1419 AH), v 2, p1023–1029,Ibrahim ibn Musa al-Shatibi, Al-Muwafaqat, (Al-Khobar: Dar Ibn 'Affan, 1417 AH), v 5, p127–131,Abu Hamid Muhammad ibn Muhammad al-Ghazali, Al-Mustasfa min 'Ilm al-Usul, (Beirut: Dar al-Kutub al-'Ilmiyyah, 1413 AH), v 2, p350–353.